

# آدی آدمی آندر

مُرَبِّی

پسندانیش شاد جیلانی

کیک آمیزی

چیرت شملوی اکادمی محمد آباد

تحصیل صادق آباد

چکو خقو قوح مخفوظ  
یکی از مطبوعات جیرت شمدوی اکادمی  
محمد آباد تجیل صادر تھے آباد

نمبر سلسہ مطبوعات  
۱۹ ۸۳ فروری اشاعت اول

ناشر جیرت شمدوی اکادمی

(تیرمت آفٹ پرنٹر ز رحیم یا خان) طابع

محمد شفیع دھریجہ کتابت

رب نواز محمدی باہستا

۲ روپے نیمت

## ترتیب

۳۰	نرینش کمار شاد
۲۹	قدز ر سجاد چد
۲۸	ظفر پنازی
۲۷	شوکت نخانوی
۲۶	سید بیمان ندوی
۲۵	ز ابد شوکت علی
۲۴	حاجی لفڑی لوٹه
۲۳	چراغ حسن حسرت
۲۲	جگہ مراد آبادی
۲۱	جو اہر لال نہرو
۲۰	تمکین کاظمی
۱۹	ایتاز علی تاج
۱۸	احتر جوناگڈھی
۱۷	احتر علی خاں
۱۶	ارشد نخانوی
۱۵	اثر لکھنؤی
۱۴	ابوالکلام
۱۳	پیشہ لفظ
۱۲	انتاب

## ابوالکلام آزاد

یوں تو مولانا کو سب جانتے ہیں کہ عالم بھی تھے ادیب و رشاعر بھی تھے۔ کانگریس کے صدیق تھے اور صاحب تغیر بھی۔ ماہر تعلیم۔ صحافی۔ بے باک منفرد۔ بیاندان اور تحریک آزادی کے سالار بھی۔ غرض وہ سمجھی کچھ تھے مگر آج تک یہ کسی نے نہ بتایا کہ ان کے سینے میں دھڑکنا ہوا بیساب و من دل بھی تھا یا نہیں۔ وہ بھی کسی کی نگاہ، غلط انداز سے نہیں بسمل ہوئے انہوں نے بھی کسی کی یاد میں سجر کی طویل راتوں میں احتراز شماری کی۔ بنظاہر تو ہم یہ دیکھتے چلے آتے ہیں کہ ایک عالم ان کا فدائی ہے اور آنکھ اٹھا کر دیکھنے تک کے دادا نہیں۔ کہیں وہ خود پرستی بلکہ خود فیری کا شکار ہو کر تو نہیں رہ گئے تھے۔

مولانا غلام رسول نہر دہلی جا سے تھے میں نے موصوف کو لکھا کہ میرے لئے کوئی یادگار تحریر لیتے آیے گا۔ مولانا نہر و ضعدار بزرگ ہیں۔ مجھے یاد رکھا اور یہ پیغام لائے۔

طبعہ بہم رسال کہ بیاز سے بحالے  
یا ہمنتے کہ از سرع نم توں گز نہ شت

ابوالکلام

دہلی ۲۳ دسمبر ۱۹۵۵ء

یہ پیغام جس کا غذہ پر قسم ہوا ہے اس کے دہنی طفت تو انگریزی میں "ای جو کیشن منڈرانڈیا" چھپا ہوا ہے اور بامیں تین سو روپے ہوئے ہیں شیروں کے نیچے پہنڈی میں غالباً کوئی اشلوک ہو گا۔

## اثر لکھنؤی

نواب جعفر علی خاں اثر لکھنؤی کو زندگی جاوید پڑی الحکمہ عطا نہ کر سکی۔ شر و ادب کی راہ سے لوں پر اچ کرتے رہے۔ شعر گوئی اور شعر خوانی ان کی محض دری تھی عدالت تک میں اس سے باز نہ آتے اصلاح دینے کا بھی شوق تھا خواہ لکھنا بھی وقت کیوں نہ خراب بہوا پڑے کاپور اجھوئہ کیوں نہ مجرح کر داں پڑے۔ فراق گور کچپوری سے ان کی چوٹیں یادگار رہیں گی۔ انگریزی ادبیات سے ایک خاص شغفت اور مناسبت تھی۔ میں ان کے غائبانہ ملا جوں میں سے ہوں دو ایک خط خط تبر کا نقل کرتا ہوں۔

## کشمیری مسلم لکھنؤ

۱۲ افروری ۱۹۶۳ء

### مکرمی تیسم

آپ کے خط کے جواب میں عرض ہے کہ اس بڑھاپے میں اتنی غزلیں کھیلے سب صاحبوں کی فرمائش پوری کر دن لہذا معافی کا خواستگار ہوں۔

## ناچیزہ اثر

ایک ماہنامہ کے اجراء کا سودا سوار ہوا تھا۔ والد مرحوم سید مبارک شاہ جیلانی بانی مبارک اردو لائبریری نے نام درگ تاک "تجویز فرمایا۔ ڈکلریشن کی درخواست کی سید سات برس گزستے ہیں نہیں ملی۔ اثر صاحب نے غزل کی فرمائش کی گئی تھی۔ اگر پرچ کے اجراء کی اجازت ل جاتی تو غزل حاصل کئے بغیر دم نہ لیا جاتا۔

کشمیری محدث  
۱۹۴۳ء، اکتوبر

### جناب محترم

آپ کے استفسا کے جواب میں عرض ہے کہ مجھے آپ سے انفاق ہے۔ شوہر کے لئے صاحب اچھا معلوم نہیں ہوتا مگر حسین اور پارسالہ کی صاحب نژدت یادوں میں شوہر کی خواہش مند ہو گئی یا صفات طبیعت و باطن شوہر کی؟ دالدم

### آثار

مولوی عبد الحق نے "نقاد" مدخل کرتے ہوئے صاحب عصمت یا باعصمت شوہر کی تکیب استعمال فرمائی تھی اور مجھے کچھ پسندیدہ نہیں معلوم ہوئی۔

### ارشد خانوی

گاؤں میں بیٹھے تو شوکت خانوی نے ایک ساز کے کان میں یہ بات ڈال دی "ذریحہ کا ازرے ہوئے ہیں" اب کیا تھا۔ ائھتا بیٹھنا دشوار ہو گیا۔ کھڑکی سے باہر گردنہ نہ کالو۔ اماں کیاں چلے آرام سے بیٹھے رہو۔ غرض تمام راستے جان عذاب میں رہی گھر جا کر خط میں دل کی بھڑاس نکالی۔ ارشد چونکہ ظریف الطبع اور بزرگ واقع ہوئے تھے اس نے ان سے اور شوکت سے اس قسم کی چیز خوانیاں ایک معمول بن کر رہ گئی تھیں کبھی کبھی وہ حسے بھی گزرا جاتے تھے اور پھر کہ اور بد نتیجہ شمار کے جلاستے تھے محمد احمد سنبھرہ واری نے لکھا ہے کہ ڈپٹی نزیر احمد کو دھوکہ سے ایک ٹوپی بٹی کر سی پر بٹھایا اور جب وہ گئے پڑے تو ان پرنسپی کا دورہ پڑی۔ شکر ہے شاہزاد

دبلوی مرحوم کے علم میں یہ واقعہ نہیں آیا اور نہ تھرست کے لئے لائے ڈالنے  
شار تو نہیے ہی شعرو سخن میں بھی دخل نہیا۔ شو جیاں بیان بھی کرنے کے ایک نو عمر  
لڑکی نے ماں کی محبت کے بیان میں چند اشعار پڑھئے اور جب اس کے منزے سے  
بہ مصروع نکلے ہے قدموں سے جدا قم مجھے للثدر نہ کرنا  
ارشد بولے ہے میں کہنئی ہوں اماں مر اقم بیاہ نہ کرنا  
اگر اللہ آبادی نے آپ ہی کی تعریف میں لکھا تھا۔

طرز اسادُب ادا میں کہنگی بھیان نزی

خوب فرماتے ہیں ہر مضمون کو ارتقانی

حضرت نے احتراماً اس شعر کو سر پر کھا

خایندار کو تو اک کورٹ سب اپکھے۔ تھیلہ از سب بحج۔ سے۔ پاکستان  
 منتقل ہونے کے بعد ریڈیو پاکستان سے شدید ہو گئے تھے میں نے مرحوم کو میں  
احمد جعفری کے فام کردار تجارتی اور اشاعتی ادارہ "ایوان اشاعت" میں آتے  
جاتے دیکھا۔ جعفری صاحب ذرا نئی روشنی کے آدمی تھے یہ بیچا سے لگئے ڈفتون  
کے لوگ مجلس آرائیوں کے دلدارہ اور رسیما پسے پوپلے منزے سے کبھی غریب لیں در  
نظیمیں سنارہ سے ہیں تو گاہ سے مضافیں اور مقامے اور افسانے۔ جعفری بھرا ہے  
سن سہے میں۔ یہ اٹھے اور انہوں نے تعریف لکھایا

"بُدْ صَادِ مَلْغَچِلْتَنَّ آجا تا بے نَخُودِ كُونَيْ كَامَ كَرَتَنَے مِيْنَ نَه دَوْسَرُونَ كَوَكَرَنَے دِيْنَ"۔

صاحب نقوش نے شفیعت نمبر کے نئے جعفری صاحب پر مضمون ارشاد تھانوی  
سے بجا سے کس خوشی میں سمعوا بیا تھا۔ جس میں ان کے نادل "چاندنی" کی تعینتیں

کی گئی ہیں حالانکہ جعفری صاحب صرف ناول نگاری کی نہیں تھے۔ ارشد تھانوی کے دو خط میر سے نام ملاحظہ کریں۔ ۱۔ ۲-۳-۶۱-۶۰ لالوکیت کراچی  
شفیقی! عدم موجودگی کی وجہ سے خط آج مل جملہ متفسروہ۔ شاہ صاحب بھر کو کراچی پہنچ چکے کہ زید کو لوالائے ایک سے زیادہ غاعل چاہتا ہے جس کا اظہار اس فقرہ سے نہیں ہوتا۔ لے آئے ہونا چاہئے۔ لوالائے کا محل استعمال یہ ہے بھائی صاحب کسی طرح بیکم کو لانے پر آمادہ نہ تھے میں بمشکل لو اکر لایا ہوں ارشد تھانوی۔ لکھنواور دہلی دونوں جگہ ابل زبان اسی مفہوم میں بہلتے ہیں۔ عبد الجید سالک کو اصرار تھا کہ لوالائے معنی ساتھ لے آئے بلالائے کے صحیح ہے لیکن مشاہیر کی اکثریت نے اسے عین فصیح گردانا  
۱۔ ۱۹۶۲ء۔ مسمی ۱۹۶۲ء۔ ۱۹۔ ۱۹۔ ۱۹۶۲ء۔

جناب محترم۔ اسلام علیکم۔ بہت عرصہ ہوا آنکھ کے اپریشن کے سلسلے میں  
مجھے کافی عرصہ تک جناح ہاسپٹ میں داخل رہنا پڑا۔ میری ڈاک ویس لاکر مجھ کو  
ستادی جاتی تھی آپ کا گرامی نامہ مع جوابی لفانے کے اس وقت موصول ہوا اور میرے  
عزیز بیوی کی غلطی کی وجہ سے وہیں رہ گیا کل ایک کرم فرماجواسپتال سے غلطی رکھتے ہیں  
آپ کا لفافہ لائے مگر اس کا اصل خط نہیں ملا مجھے سخت شرمندگی ہے کہ آپ کے دالا  
نامے کا بر دقت جواب عرض نہ کر سکا اب لاکھ حافظے پر زور دیتا ہوں کہ آپ نے  
کیا لکھا تھا مگر ذہن میں نہیں آتا بہر صورت آپ سے معافی کا خواستنگار ہوں اگر آپ  
نے کوئی الیسی بات لکھی تھی جو ہنوز جواب طلب ہو تو بمکرمت پھر لکھ دیجئے کہ تعین  
ارث دکروں اور اب وہ بات آئی گئی ہو چکی ہو تو بہر باقی محضرت فبول فرمائیئے

## نیاز کمیش ارشد تھانوی

یاد نہیں پڑتا کیس نے کیا پوچھا تھا۔ بہر صورت اس مکتب سے یہ سبق حاصل ہتا ہے کہ خط کا جواب دینا کس قدر اہمیت رکھتا ہے منوجودہ دور کے نام ہنادا وبار دشراہ تو اسی میں اپنی شان سمجھتے ہیں کہ سبھے منہ کسی سے بات ہی نہ کی جائے خط و کتابت تو دور کی بات ہے۔ ارشد صاحب نے ایک ملاغات میں ایک شعر مجھے لکھ کر دیا تھا۔

میں اپنا راستہ آپ ڈھونڈ اور اپنی منزل خود بنا  
راہروان شاہراہِ عام کی پرواہ نہ کر

---

ارشد تھانوی ۱-۰-۵۳۶

## اختصار علی خاں

مترجم۔ واعظ۔ شاعر۔ خطیب۔ مقرر۔

ادیب یہ سب "جزایا" ظفر علی خاں میں پائی

جاتی تھیں۔ وہ اپنی ذات سے اک انہمن تھے۔ پنجاب ہی نہیں بلکہ ولنت کے دروازے ان کے فرزند اکبر اختصار علی خاں کو میں نے اُس وقت جانا جب انہوں نے لاہور کی سیر دیکھنے آئے ہوئے ریس احمد جعفری کو زبردستی ادارہ "زمیندار" میں لے لیا اور اس کا اعلان بھی کر دیا جعفری صاحب نے بھی نکل بھاگنے کی ہمت نہیں کی۔ کرتے تو آخڑکیوں۔ ناشر اُگن کے "غلام علی اینڈ سٹر"، دہان موجود تھے دو چار ناؤں "حسن برادرز" کو بھی دے چکے تھے اور حضرت خلیفہ عبدالحکیم نے "ادارہ ثقافت اسلامیہ" سے منتسب ہونے کی ترغیب دی اور جعفری صاحب مستقلًا لا سور آگئے مرکز دھور کر اجھی ہی رہا یہ "وزمیندار" کا مرتبے کہتا چاہیئے سنبھالا تھا۔ ادارہ بھکھنے میسر ہے جعفری صاحب کو بڑا کمال حاصل تھا۔ لگی لپیٹ رکھے بغیر لکھ ڈالتے "وزمیندار"

کے دفتر سے سو قدم پر "برگنز اہولن" میں فیام تار بعد میں دیگور پارک "منفل جو گئے تھے یہ تو دفتر "زیندار" کے بالکل سامنے ہی تھا) علی الصبح چپر اسی پہنچنا لوگوں کے ادارہ کا نسب منظر بیٹھے ہیں۔ یہاں کیا دیر تھی کاغذ قلم سنبھالا اور بست الخلافیں لکھ سکئے۔ ایک پنتھ دکاچ باہر نکلتے تو یہ بڑا اسارا ادارہ تھا دیتے اور دوسرے روز جب وہ چھپ کر آتا اور یہ دفتر جاتے تو اختر علی خاں باقاعدہ منتے اور تعیر یقون کے پل باندھ رہتے۔ اپنا الوسید حار کھنے کے لئے اختر علی خاں اس نسیم کی منافقانہ حرکتیں کرتے رہتے تھے۔ مثلاً ایک بار کبیں خواجہ ناظم الدین کے ساتھ مخدود العذر کی دعوت پر جمال دین والی پہنچ گئے لاہور جا کر فیضدہ حیدر زیندار میں شائع کرایا جس میں کھانوں کی تفصیل نک موجود تھی تھوڑا کبھی کسی وقت پر نہیں دیتے تھے اگر اٹھا رہ سو کا چیک دیں گے تو نہ کب میں نکلیں گے دوسو۔ اس قسم کا ایک چیک آج بھی ہیرے پاس محفوظ ہے یہ جعفری صاحب کے نام جاری ہوا تھا۔ ناچار ساتھ چھوڑنا پڑا اور تھوڑا کا چار پانچ ہزار روپے بھی۔

استاذ مولوی قادر نخش راوی میں کہ مولانا احمد علی لاہوری کے درس قرآن میں مولانا طفر علی خاں کا ذکر آگی تو مولانا مرحوم نے اختر علی خاں کے راوی کنارے زندگی میں کا تصریح کیا تھا جہاں وہ باقاعدہ خبر نہ ہوا کرتے تھے اور ہیرا منڈی سے پیرے پیش ہوتے رہتے تھے۔ تحریک حتم بیوت میں نام خدا وہ بھی صحیح تھی ایک لیڈر ہی کہہ لیجئے کے گرفتار ہوتے میں نے لاہور ہی میں سنا تھا کہ چانسی کی سزا تجویز ہونے کی خبر وہ کہ خضر چھر کا پنپنے لگے اور چھر مستقل رعنی کے مریض ہو گئے۔

ایک بار میں بھی جعفری صاحب کی معیت میں ان کے دفتر چل دیگا تھا ویسیح کمرہ

درودیوار پر ہر سے زنگ کے دبیزیر پڑے۔ ایک بڑی سادھی مبیزیر پر جھکے ہوئے تھے جعفری ہر حوم نے یہ کہتے ہوئے متعارف کرایا کہ یہ آپ سے کچھ لکھوانا چاہتے ہیں تو بیزاری کے عالم میں فرمایا۔ آپ ہمیں نے لکھ دیا ہوتا۔ تاہم کیکپیا تے ہوئے یا انہوں سے صرف۔ اختر علی خاں۔ لکھ سکے یہ ۲۶ مارچ ۱۹۵۵ء کی بات ہے۔ عبدالجبار ساکھر حوم ایک خط میں شفقت کا ظہمی کو لکھتے ہیں۔

۱) مولا تا اختر علی خاں کے منعقد آپ نے جو کچھ لکھا وہ صحیح ہو گا خفیقت میں لٹیری آدمی نہیں ہیں اس لئے کسی شاعر با انشا پرواز سے اس شیشان کے ساتھ ملاقات نہیں کر سکتے جس کی توقع اسے ہوتی ہے وہ مسدود ہیں۔ اس لئے آپ اپنے دل سے کذرت دور کر ریجئے۔ آپ کو خدا بخش اظہرا و رحمجاں لق سے ملا چاہیئے تھا۔

منے سے پہلے وہ بہ کام کر گئے کہ ”زیندار“ کی وہ عمارت بھی فروخت کر گئے جس سے پوری بیک تاریخ والستہ ہے۔ محکمر آثار قدیمہ کو چاہیئے کہ اس عمارت کو حاصل کر کے قومی بادگار دیں شامل کر لے۔ میرے ایک کرم فرمایا جو ہدایت عفو، نے مرحوم کا بڑا اچھا تجھز یہ کیا ہے

۲) اختر علی خاں ایک بڑے باپ کے بیٹے اور نالائی جانشیں تھے بالکل مٹی کے مادھو۔ خدا مغفرت فرماتے

اختر جوناگڈھی قاضی صاحب تازیخ اسلام اور دیگر علوم کے ماہین میں شمار ہونے تھے بہت کم لوگوں کو علم ہو گا کہ وہ شاعر بھی تھے ”اجسم تنقی اردو“ کی بالائی منزل پر درشن ہوتے ایک شعر عطا ہوا تھا۔

احترمہ قول ہے متنبی کا خوب تر بحمد نہیں ہے بڑھ کے کوئی بھی کتاب سے

## ایمیاز علی تاج

تاج ایک نامور ادیب تھے۔ فلمی دنیا سے ایسے چکے کہ تقریباً زندہ درگور گوکے خود نہیں مرے کسی نے چانو مار کر زخمی کر دیا تھا۔ ہسپتال پہنچنے زخم کا ری تھا جانہ نہ ہو سکے۔ مارا ہو گا کسی فلمی لفٹگے نے آدمی نیک خوا اور شریعت زادے تھے ان کے مرنے کا غیر سب کو ہوا بہ معراجی حل نہیں ہوا کہ قاتل کون تھا اور الیسی کیا پیر خاشق تھی۔ جس کی بنیات پر انہائی فتنہ اس نے اٹھایا اکثر دیکھا گیا ہے کہ بڑے دن میں خابیاں بھی ان ہی کے طرف و نظر کے مطابق ہوا کرتی میں۔ یوں آدمی مجسم ہوا صنداد سے۔ ظاہر و باطن میں بیکسانی فرشتوں کے بس کاروگ ہوتا تو ہوا نسان اس سے بری الذم میں تاج کے ڈر لے ”انارکلی“ کی بڑی دھوم پے۔ ڈرامہ ان کا مخصوص میدان تھا۔ موت بھی ڈراما فی پاٹی۔ دوران قیام لاہور میں میں بھی ایک روز سے پھر کو ان کے دولت کدہ پر جا پہنچا تھا۔ کمرہ استقبالیہ (ڈرائینگ روم) کی ہر چیز زرد تھی وہیں میں نے ایک رحل میں غالب کا مصور دیوان نجح چھانی بھلی بارڈ راسالٹ کر دیکھ لیا تھا میں نے بیان سپشیں کی۔ لکھنے ہیں۔

چمن میں رخت گلشنہم سے ترہے سمن بے سبزہ ہے باد سحر بے ملکہ بنگامہ ہو سکتا نہیں گرم یہاں کمالہ بے سوز وجہا ہے

سید ایمیاز علی تاج

۹ مئی ۱۹۵۵ء

میں مصروف ہو اکہ تصویر اتار لوں، ضرایا کل آڈس وقت کپڑے وغیرہ ٹھیک نہیں

میں نہ مانا۔ عرض توجیہ کیا۔ بے شکی بانگی۔ آپ تو ادیب ہیں کیا ہے اتر دالیجے تصویر  
بولے ”کیا ادیب آدمی نہیں ہوتا“ ”لوالاتے ہے سے متعلق استفسار ان سے بھی  
کیا گی تھا۔

محترم قسمیں۔ کارڈ لالا آپ نے جو جملہ لکھا وہ صحیح ہے۔ احتیاطاً میں نے فرینگیں بھی  
دیکھ لیں۔ فرنگ آصیقہ۔ جلد چہارم صفحہ ۱۲۸ :- ”لوالے جانا (ه) فعل متعدی  
اٹھوا لے جانا۔ ہمراہ لے جانا۔ سانخ لے جانا۔

لوانارہ فعل متعدی۔ مول ولوانا، خزید کر دانا۔ خسید دینا، مول لے دینا  
لوراللغات :- جلد چہارم صفحہ ۳۱۹ - ”لوالاتا۔ جا کر اپنے سانخ لانا۔  
لوالے جانا۔ ہمراہ لے جانا۔ سانخ لے جانا۔ اٹھوا لے جانا۔

لوانا۔ لینا کام متعدی المستعدی (۱)، خزید کر دانا۔ مول لے دینا (۲) اٹھوانا۔  
دیکھو کروٹ لوانا۔

جامع اللغات :- جلد چہارم - ”لوالاتا۔ اٹھوا لانا۔ لانا۔ لوالے جانا۔ سانخ  
لے جانا۔ ہمراہ لے جانا۔“ ایک کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ والسلام  
خاکار۔ سید ایاز علی ناج

”اگلے وقتون کے لوگ اسی طرح نسلی نخش“ جواب دینے کے عادی تھے  
تمکین کاظمی :- افکار جوش منبر میں ایک عضمیون کاظمی صاحب کا بھی ہے  
جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ لوگ جوش کو تو کہتے ہیں مگر

نیاز اور بعد اکتوکی کو کوئی کچھ نہیں کہتا جو اول درجہ کے دہری ہیں۔ میں نے جبھی جایا تھا  
کہ خطف کھصور مگر لکھنے سکا۔ بہر حال موقعہ محل آیا تو میں نے جواب بھی حاصل کر لیا۔

سلطان شاہی جلد آباد کن ۲۰ ندھ پروپریٹر فریڈر ۱۹۴۷ء  
سید صاحب! سلام سخون  
الطاں نامہ انجمن ترقی اردو کے ذریعہ مل۔ شکریہ میں نے اپریٹر لکھ دیا  
ہے آئندہ اسی پتہ پر مراسلت فرمایا کیجئے مرزاد آغ پر آپ نے جو میری کتاب  
ملاحظہ نہیں ہے وہ صرف ان کی شخصی فریاد آغ پر ایک مقدمہ ہے انسوس  
ہے کہ جواب کی نصوبہ اب تک نہیں ملی۔ اگر مل جاتی تو ضرور شائع کر دیتا  
آئندہ طے تو ضرور شائع کر دیں گا۔

میں نے مرزاد آغ کی سوانح عُمری "داعی" نام سے لکھی ہے جو صفحہ  
کتاب بے لاہور میں طبع ہو رہی ہے آج کل میں بازار آجائے گی۔ آپ اس  
پتہ پر منگو سکتے ہیں۔

### عبدالدیم صاحب ناشر و کتب فروشی

آئینہ ادب چوک انارکلی لاہور قیمت پھر پے بے  
مولوی صادق کی کتاب "بادایام" میرے پاس تھی مگر ایک صاحب نے  
لے لی ہے چونکہ وہ میں طبع ہونی ہے۔ اسی لئے کہیں نہ کہیں مل جائے گی  
اثر اللہ فدا ہم کر کے بھجو آتا ہوں مگر جب بھی ملے بھجوں گا۔ مدت کس طرح  
مقرر کر دیں۔

اثر اللہ جلد کتاب آپ کو پسخ جائے گی دارم  
آپ کا سید تکمیل کاظمی

کتاب ملی نہ بوگی درست بھجو اتے یہ کسی عجیب بات ہے۔ مُنیٰ بالی حجاَب کی تصویر  
کسی نہیں ملتی۔ جس کے فرائیں داعنے نے ”فریادِ داعن“ جیسی شاہکار سادہ پر کار  
ٹھنوی لکھی۔ شاگردِ داعن حضرت فوح ناروی کے ذمیہ نوازد میں ایک مطبوع  
تصویرِ بھجو اتے تین سو سے ازکر سو اسو فیض مرحوم نے آنکی میں طبوہ  
رُفِم بھجو اتے کی نگہ دو میں لگاہی ہوانچا کوہ حضرت اللہ کو سد عمار۔ متعلقین نے میری  
کسی بات کا جواب ہی نہیں دیا۔

## جو اہر لال نہر وہ

تفصیل ملک سے پہلے لیڈ رخواہ ہند وہ بورا مسلمان ملک و ملت کا مشترک سرمایہ  
تصور کئے جاتے تھے آج اگر آپ کے شہر میں سرد جنی نا یہ ڈو جلوہ فرمائیں اور  
آپ دیدہ دل فرش را د کئے ہوئے میں اور اگر وہ نغمہ سنج میں تو آپ سمجھتے نہ گوش  
او سرد صن اے ہے میں۔ کل یہی کیفیت عطا اللہ ثناہ بخاری کی آمد پر بھی ہو گی کچھ تخصیص  
کسی کے لئے نہ ہی و دل کی دھڑکن تو یہ سرمایہ جس کر تھے ایسی بی فضایں ہم نے  
زندگی کے ابتدائی سانس لئے یہی وہ زمانہ تھا سخنانے کیاں سے ایک بیلنڈر خنا  
یا کسی تھار نی اور سے کاشتہ نہار بھائیے لھر میں آگیا اس پر ایک سر نگی تصویر  
عجیب بہار کمان غائبہ بے کم دیش تین بر سر تو دکھاتی رہی تھی۔ اتنی مدت تک  
کسی کا شب در دنگا بیوں میں سمائے رہنا دل بیس بس جانے کے لئے کچھ  
کم نہ تھا میں یہ بتانا بھول رہا ہوں کہ یہ تصویر نگنی جو اہر لال نہر وہ کی او رسم قدر  
اتنا جانتے تھے کہ یہ فرمی نیا کے کھیوں ہار میں۔ غیر شعوری طور پر اس مرحوم

تے جبھی یک گونہ تعلق نہ طپیدا ہو گیا تھا۔

ہندوستان کی تحریک آزادی میں ہوتی لعل کے ناز و نعم میں پلے ہوئے اس سپوت نے راتوں کی نیندا اور دن کا آرام اپنے اور حرام کر دیا ہر قسم کی آسائش دراحت کو تجویز دیا۔ قید و بند۔ زنجیر سلسل اس کا اور ہنا پھونا اور پہتاوا بن گئے فتحے۔ عیزروں کے ظلم و شد و کے علاوہ ہموطنوں کی بلغار سے بھی بیج سکا۔ مشہور نہر پورٹ پر بڑی لے دے ہوئی اور اُسے مسلمان کے حق میں مضر گردانا گیا صوبہ سرہ بیچے تو استقبال سنگ و خشت سے ہوا۔ مشہور پشتون شاعرا میر جمزر دشنواری بڑے مزے سے یقاعدہ سُنانے میں کہ جب نہر و لندی کوں پوچھ تو میری تحریک پران کے خلاف ایک منظا بہرہ ہوا جس میں عرض سرچھرے اور پرچوش پٹھان نوجوانوں نے سنگ باری بھی کر دالی ڈاکٹر خان نے نہر کو اپنی آڑ میں لے لیا اور دہی نثارہ بننے رہے اس تھی بینے کا پیشاب خطاب ہو گیا۔ مکر، سہ کہ جب اس بات کا اعادہ ہوا تو میں نے دبے لفظوں میں پوچھ ہی لیا۔ تو کبا وافحی الیا ہوا تھا۔ دشنواری صاحب گویا بھتے مجھے اس کے منحدرنے بتایا کہ جائے قیام پر پھوپختے ہی اوہیوں نے پاجامہ بدلتا۔ جی بہبیں ماٹا نہر دیسے کھم پھت واقع ہوئے ہوں۔

باس ہمیشہ اجل اور پاجامہ اچکن وغیرہ رہنا نہ صرف ایک نصویر میری نظر سے ایسی گزری ہے جس میں وہ کسی "تفربھی" "کرکٹ میچ" میں بلے بازی کے منتظر بیٹھے ہیں اور ہتھلوں قبیض میں ملبوس۔ یورپ کی ٹھہر دینے والی سرداری سے بچنے کیلئے اور کوت کے ساتھ ہتھلوں چڑھی ہوئی بھی دیکھی گئی ہے لیکن اکثر وہ بیٹھنے والے اپنے قومی باس میں رہتے تھے گلاب کے پھول کا اضافہ اور کر لیتے ایک خاص و صنع کی

داسکٹ پہنچتے جو نہرو کٹ مشہور ہے تھی۔ میرے چمال میں بوگرہ وزارت کے دوران میں کراچی آئے تو پاکستان کے عظم آرٹسٹ اور کارٹونسٹ بخوبی درجہ بندی خاموش زندگی بسر کر رہے ہیں،) نے ایک "کار ٹون" میں دونوں وزراء اعظم کو پچڑی بدلتے بھائی کے دزن پر بس بدلتے بھائی دکھایا ہے۔

بس وہی داسکٹ کرتے پا جامہ اور پشاوری چل۔ قومی بس ہی نہیں نہ ہاں سے بھی عشقی تھا۔ کراچی کے استھانیاں میں خیر مندمی تقریباً انگریزی میں ہوئی جواب صاف اور سلیس اُردو میں سن کر ممکن ہے باحیثیت پاکستانیوں کی جیہیں عرق آلو دھوکی ہوں۔ بولتے وہ رک رک کر تنفس میں نے یوم آزادی پر بارہ ان کو روپیں پرستا ہے۔ ان کا شمار چو شیلے اور شعریں مقرریں میں نہیں تھا وہ تھیر بھیر کر دھیسمے لہجہ میں بلکہ دھیسمے سرود میں دل کے تار چھپیرتے جملے اکثر بے ترتیب ہو اکرتے ہیں۔ مثلاً ہم جانتے تھے وہ ایسا کیس گے تھے وہ بولیں گے تو اس طرح ہم جانتے تھے ہم کریں گے وہ ابھا۔ بخوبی کے پیش کئے گئے کار ٹون پر دستخط بھی اُردو ہی میں کئے تھے جسے ہندوستان کی خبر سان ایجنسیاں آجیشہ ہندی پکار فی رہتی ہیں۔

آزادی ملتے ہی ان کا شمار عیز و بن اور دشمنوں میں ہونے لگا۔ دشمن ہوش و حزد اور فارت گردین و ایمان نہیں۔ دشمن جان و مال۔ بلکہ کاٹواہ پھر کشمیر پوپ کے حق خود ارادی کا غصب کرنا۔ ان کی موجودگی میں ملک کے کونے کونے میں مسلمانوں کا کشت حزن۔ ناہم بذباقی اغیار سے میں نہرو کو جھٹک دینے میں کا بہاب نہ ہو سکا اور میں نے عقل کی دراندازی کو درخور اعتناء جان کر

طمباںت قلب ہی محکوم کی ہے نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ میں ایک لذ جرأتِ تھا طب کر پہنچا  
مدعا بہ تھا کہ کوئی بیادگار تحریر پر بطور نمبر ک حاصل کی جائے میں نے اپنے خط میں  
یہ وضاحت بھی کر دی تھی کہ میں ایک قومی کارکن اور صاحب طرز ادیب و دانشور  
سے مخاطبست کی سعادت حاصل کر ہا ہوں نہ کہ وزیر اعظم منہودستان۔ میرا گوہر  
منقصو ہو سکتا ہے۔ یہ دافعہ ہے کہ نہر و ایک بھاری بھر کم اور ہمایلہ صفت  
شخصیت تھے جن کا وجود وزارت کی شان بر عاتا تھا اور اس کا بصر مقام  
تھا ورنہ ہونے کو تو ہمارے بوگرد بھی وزیر اعظم ہی تھے۔ خط مکتب ایڈنک  
تو کیا پہوچتا دو سی چار سو ہفتواں میں پتہ چل گیا کہ ہم دھر لئے جاتے۔ اگر سی آئی ڈی  
انپکڑ ہمارے چھاڑا دھجائی کے شناسانہ ہوتے۔ انپکڑ اس پر بڑے چراغ پا  
ہو سے تھے کہ خط کا اختتام

شاہاں چہ عجب گر بنا رازندگدارا — پر کیوں ہوا

ادیب وہ انگریزی زبان کے تھے چاہتے تو اردو میں بھی ایک منقاد ص  
کر رہتے یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے اردو مضمون کو مشتر  
بہ انگریزی اس طرح کیا کہ خود مولانا بھی بھر کی کردہ گئے اور ایک طویل خط میں  
اس کی داد دی۔ ظاہر ہے ابوالکلامی اردو کے لئے کیسا کچھ عبور ہر دیوانوں پر  
چلا سیئے تھا۔

وہ چونکہ خود حسین تھا اس لئے حسن ان کی لکڑی بن چکا تھا۔ لیڈی ماڈٹ  
بیٹن سے رغبت کا ذکر تو ابوالکلام نے بھی کیا ہے بلکہ میں نے بعض لمحہ راویوں سے  
تو یہ بھی سنائے کہ وہ ایسے باذوق تھے کہ حسن خواہ کہیں ہو متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے

اس معاملہ میں وہ صنعت کرخت اور صنعت نازک کی قید سے بچنے آزاد تھے۔  
میں نے بھروسے کہ خبر سنی تو بڑا دکھ بوا۔

اچھے تھے یا بے تھے ترے سلے سے تھے

## جگہِ مراد آبادی

میں اور ریس امر و ہوی ٹبلے نکلے سامنے سے ایک صاحب ایک انداز فاصل سے  
چلے آپ سے تھے جو نہیں ان کے چہرے پر نظر پڑی سہم ٹھنکے نکاہیں میں اور دونوں کو  
زبان سے بے ساختہ نکلا ”با نکل حجر“ کتابی چہرہ۔ نہ چادلی دار مصی زلغیں پڑھی  
ہوئی اور پر لشان۔ پھر پڑھی دیز تک حجر بھی کاذگر پا۔ ریس کے ایک دوست جیکیم  
عین الحق نے تباہا جگہ کبھی کبھی میسرے ہمایاں بھی رہا کرتے تھے۔ پینے کا سلسلہ کسی طرح  
رکتا ہی نہیں تھا۔ جب بار بار مانگتے تو سہم نے پانی ملا کر گلاس میش کیا۔ چکی لیکر پکارے  
اد جیکیم جی نہ دمکھ رشتہ کرت کر دو۔ جگہ کی بلا ذاشی کے چرچے زبان زد عالم رتے میں  
لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ بے تحاشہ پی کر بھی لیکے کبھی نہیں۔ وہ بہرحال میں نظریں  
ترین آدمی تھے۔

کراچی میں جم شیدر وڈ کے آس پاس ایک عقیدت مند کے نیگلے میں بھیرے ہوئے  
تھے۔ میں جب پہنچا ہوں تو وہ گول کھرے میں دالہانہ انداز میں کھڑے ہوئے کھرند باندھ  
رہے تھے ادھر ادھر سامان بیکھرا پڑا تھا کیسیں جانے کے ارادے تھے کھڑے کھڑے میری  
بیاض اپنے مخصوص انداز میں موٹی پروپیئے۔

خود اپنے بھی سوز باطنی سے نکال اک شیخ غیر فانی۔ چراغ دیر در حرم تو اے دل جلا کر یہیں گئے بجھا کر بیگنگے

جگہ (۱۸ جنوری ۱۹۵۵ء)

## چراغِ حسن حست

حضرت کو میں نے بستر مرگ پر دیکھا اس وقت کی طبیعت کا رنگ اس شعر سے  
جھلکتا ہے  
گریز دار صفت ماہر کہ مردِ عنوان غائب است  
کسے کم کشته نہ شد اذ قبیل مانیست

حضرت ۱۹۵۵ء

## حاجی لق لق

حاجی صاحبِ جب میں ان سے ملا ہوں غالباً "روزنامہ احسان" لاہور میں کام  
کرنے تھے۔ اس اخبار کا دفتر پادشاہیں پڑنا لاہور کے کس محلہ میں تھا مگر تھا دسری  
منزل پر اور بڑا ہی داہیات اور بھیپر۔ ایک چھوٹے سے کمر کے ایک کونے میں میز کی سی  
لق لق کے لئے بھی مخصوص تھی حال بظاہر ان کا بھی خستہ اور پنلا تھا۔ بیجعف الجثہ  
لباس سمجھی یونی ساتھا مرگ کے تو معلوم ہوا اتفاقی بڑی عسرت اور تنگی کے دن گزار  
گئے اس پر بھی شکفتہ مزاجی ملا حظ فرمائیے۔

میں ترے حسن پر قربان ہونے والا ہوں  
پیس فیول تو جاہیم کم افتخاری لا!

۱۶ اپریل ۱۹۵۵ء

حکومت وقت پر ان کی چوری میں پلیتی رہنے لگیں تاریخ لکھ کر بیاض میرے ہوئے  
کردی میں نے دیکھا تو دستخط غائب۔ توجہ دلانے پر "حاجی لق لق" لکھا اور

نہیں پہنچے ایک لکیر کھینچ دی۔

”مرقع پاکستان“ کے عنوان سے جیسی سائز کا ایک محبوسون اقت کے اشعار کا مدت ہوئی شایع ہوا تھا اب تا پیدا نہ سہی تایاب ضرور ہے چند غنچہ قطعات پیش کئے جاتے ہیں۔

آرزویں اور بھی ہوں گی مگر - دوستو پوچھو اگر آیاں کی  
جس نے دل کو کر دیا ہے قرار اک تمنا ہے وہ پاکستان کی  
ہمارا مدعی  
ہمیں منظور کہ دننا کسی کو  
کہ ہندوستان میں پاکستان لینا  
ہمارا مدعی دل یہی ہے  
پیاہ مرییداری۔

مسلم ہندی ذرا بس رارہو  
خیر کا تو ہو کے رہ سکتا ہیں  
اینی قدر دستزت پیچان لے  
جس طرح بن آئے پاکستان لے  
شکل سے پاکستان

بھلی لگتی ہیں ہے دوستوں کی محفل آئی - ہیں جاتی ہے دل کو سبڑہ ویرجان کی صورت  
محبت دل ہیں پاکستان کی رکھتے ہیں مل اقت - ہمیں عشق سے بڑھ کر ہے پاکستان کی صورت

## زادہ شوکت علی

مولانا شوکت علی - محمد علی - ہماری قومی زندگی کے داعظیم اور فیض الشان سنتوں  
نئے - محمد علی کا شمار عجقیلوں میں ہوتا ہے۔ شوکت علی اللہ کے پیاری نئے کسی خرمیں

کمی کا میانی کی ضمانت سمجھے جلتے تھے۔ بھمال تو یہے گاندھی اگر بر لَا اور ڈناؤں وغیرہ سے ایک لاکھ چند وصول کرتے تو شوکت علی بھی اس سے کم پڑنے لگتے۔ مجھے یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ بھمال میاں فرنگی محلی نے شوکت علی مرحوم کے خطوں کا فائل ریس احمد جعفری کی تجویز میں دے دیا تو صاف نقل کرنے کا مجھے حکم ڈیپ نادر محجوب عسکر اچی سے چار سو میل دُور پاتھ گھر لے آیا اور رات دن ایک کھر کے ہفتہ بھر میں کام مٹا دیا۔ پانے خطوں میں ہر جگہ انہوں نے اللہ کا ذکر کیا ہے وہ اسی پر بھروسہ کرتے تھے ان خطوں میں وہ ایک بے خوف بہادر نژاد اور بے باک شوکت نظر آتے ہیں۔ یہ مجموع خطوط ”علی برادران“ نامی کتاب میں جعفری صاحب نے چھپوادیا تھا۔ میرا ذکر مرحوم نے کہیں نہیں کیا حالانکہ اس وقت نقل نویسی تو کبجا اتنی کم مدت میں کوئی شکستہ تحریر دل کو پڑھنے کے لئے آمادہ بھی نہ ہوا۔ میں نے تو کچھ کتب و رسائل خطوں اور جعفری صاحب کی باتوں سے شوکت کو دیکھا اور سراپا میں نے زاہد شوکت علی کے روپ میں دیکھ لیا۔ ہو بہو باپ کی تصویر۔ وہی چورڑا چکلا سیمنہ۔ کتابی چہرہ لابنا فذ، سانولاسلو نازنگ، وہی قلندرانہ و صن قطع۔ حج سے لپی پر کر اچھی اتر سے۔ جعفری صاحب چونکہ مولا نا شوکت علی مرحوم کے دست راست ہے میں اس لئے ان کے بانجھیت ایک خود کے تشریعت لائے مجھ سے اور تو کچھ بننا پڑا بیاض آگے بڑھادی۔ باپ کی تعقید میں سر آغاز میں اللہ اکبری لکھا ہے

اللہ اکبر

دعویٰ توجید کا تو کرتے ہو۔

نفس کو مت خدا بنایا۔

زاہد شوکت علی      دناریخ تحریر ۱۸ جولائی ۱۹۵۵ء

**سید سلیمان ندوی :-** یہ صاحب کا ایک کارنامہ تو یہ تھا کہ اپنے استاد علامہ شبیلی کی وصیت کے مطابق سیرہ النبی کی چھ بدلیں مرتب کر دیں۔ دوسرے استاد کی سوچ عمری ایک ہزار صفحے پر پھیل کر دالی لیکن واقعہ یہ ہے کہ حق ادا نہ ہو سکا اس لئے کہ مرحوم نے عطیہ فیضی کو بالکل اڑاہی دیا حالانکہ شبیل کو عطیہ سے جو دالہانہ نعلق خاطر تھا وہ کوئی ڈھکی پچھی بات نہیں البتہ اس کمی کو مبدی افادی کے نام شبیل کے خطوں کو جوں کا توں شائع کر کے پورا کر دیا ہے ملکن ہے یہ قطع درجہ سے کام لیتے مگر مبدی نے اڑچن پیلگا دی تھی کہ یہ خط چھپیں گے تو اسی شکل میں ورنہ نہیں اُدھر محمد امین زیری نے عطیہ سے وہ اس حاصل کر کے شائع کر دی جو برائیت عطیہ و شبیل میں ہی تھی پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شبیل کے سیئے میں گوشہ پوست کا دل دھر کرنا تھا کہ پتھر کی سل۔ مولوی عبدالحق نے اپنیں اردو زبان کا زیور کہا ہے اور یہ غلط بھی نہیں۔ لطف یہ ہے کہ مبدی و عطیہ کے نام مکتووبات کا موازنہ کیا جائے تو کوئی راز راز نہیں رہتا اس پر بھی سید سلیمان وغیرہ شبیل کی رنجیگنی مزاج کا اعتراف نہ کیں تو قیامت ہے۔ سنا ہے زیری نے جب تفعیل سے درجات معاشرتہ "مرتب" کر کے اجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام چھوڑا دالی تو سید صادق نے مولوی عبدالحق پر زور وال تمام سخنے نذر آنحضرت کرایے۔

کوتاه فامت نہ ہوتے تو پوری تعمیر اتردا تھے۔ نصف تقویر میں کیا جوان عنانگہ تھے میں ایک سر پھر حاضر ہوا۔ دیوان پر فرد کش تھے مزاج میاز تھا۔ اونچا سنتے تھے تاہم میں شعاد کام اپلا۔ لمحتے ہیں

معشوق بیگانہ ہے عاشق بھی بیگانہ ہو۔ یعنی کہ جو ان کا ہو وہ سب سے ہو بیگانہ وہ پشم محبت تو جو بیانے مجبت ہے۔ ویکھ تو فراکر کے اس سے کوئی باران

سید سلیمان نددی ۳، اپریل ۱۹۵۳ء

گھر آ کر میں احمد جعفری مر جوم کے ملاحظہ سے یہ اشعار گز روائے۔ پڑھ کر  
ہنسے اور فرمایا : " دیکھا بڑھے نے کیا لکھا ہے :-  
میرے خال میں جعفری صاحب نے یا تو میرا دل بہلانے کے لئے یا پھر سطحی نظر ڈال  
کر ایسا کہا ہو گا یوں وہ سید صاحب کا بڑا حترام کرتے تھے۔ شاگرد بھی تو تھے ان  
کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھ کر سید صاحب نے فرمایا یہ کیا ہے سونا مرکے  
لئے جائز نہیں اتار کر ایک طرف چینک دی

**شوکت تعالوی** بیار زبی نے کس بل میں تو یہی کہوں گا نکال دیے  
تھے۔ ان کے بعض مزاج چہ ناول مجھے تو بخیان نظر آئے۔ آخر عمر میں اپنے حالات  
پر فلم اٹھایا تھا یہ آپ میتی کم اور جگ میتی زیادہ بھتی اور خاصے کی چیز بھتی۔ اے  
کاش وہ کچھ زیادہ لکھتے۔ روزنامہ " جنگ " را ولپنڈی کی ادارتی ذمہ اریوں  
نے دبائے رکھا ۔

میں جب ان سے ملا ہوں تو وہ رپڈیو پاکستان لاہور سے منکر تھے ایک  
چھوٹی سے کمرے میں دفتر سجوار کھاتھا۔ خود بدولت بھی ٹھکے ہوئے بیٹھے  
تھے۔ کوت ٹھکانی سے لیس۔

مجھے انہوں نے ایک ایسی چیز لکھ کر دی بھتی جو میں سمجھتا ہوں ایک نو عمر لٹکے  
کو لکھ دینے کے قابل نہ تھی ملاحظہ فرمائیے۔

لے شریک زندگی لے زندگی بھر کے عذاب  
 آہ سہم دونوں کی وہ الفت ہوئی جو کامیاب  
 عقد وہ جس نے محبت کا کیا خانہ خراب - زندگی کی ہر مرست رہ گئی ہے بن کے خواب  
 طالب دم طوب دونوں صاحب اولاد میں - یعنی اپنے واسطے ہم خود سنم ایجاد میں  
 شوکت نخلوی ، می ۱۹۵۵ء

### ظفر نیازی

دہلی سے "نقاد" کو لائے تھے یا اس نے کچھی میں  
 جنم یا تھا مجھے تو بس یہ معلوم ہے کہ ان کے جیتے جی "نقاد" نے بڑا نام پایا -  
 مضامین کے علاوہ وحوم اس کے سردق کی بھی رہا کرتی تھی وہ کوئی ادبی حصہ  
 پرچہ نہیں تھا اگر کو زندہ اب بھی ہے، اگر میں اسے غالباً عوامی پرچہ کہوں تو  
 غلط نہ کہوں گا۔ علکی و سیاسی حالات پر سیر و صل تبصرے - طنزیہ مضامین ایک  
 خاص اور مشہور عنوان "ابیس کاروزنیاچ" جس میں ظفر کا قلم جو لابیاں دکھابا  
 کرنا تھا۔ نظریں عزز لیں، انسانے، معیار سمجھی کا عوامی اس ماہنامے کی ایک  
 درخوبی اور تھقی اور وہ یہ کہ "شمع معمر" کے مقابلہ در نقادر مجمع" کا ڈول ڈالا  
 گیا۔ لاکھوں کے والے بیمارے ہوئے۔ انہیں ترقی اردو کے بدھے بھروس کو  
 شیشے میں آتا را گیا اور صحیح حل "مولوی عبد الحق" کے قلم سے ہر ٹھیکی چپ کئے  
 بہار دکھانے لگا اس مشقت کا صل پا پھسوار پے پاتے اور سمجھتے کہ "انہیں" کی  
 بیماری کا رے لگی کر اب، مجلس تقویم العمامات  
 میں دی گئی ضیافت میں بھی مولوی صاحب با قاعدگی سے نظر آئے لگے بڑے فلم طران

سے تصویریں چھپیں رہیں تھیں یہ سلسلہ حل کر دوٹ گیا۔ ساکھوں چکی تھی لہنڈا صبح حل ظفر نیازی خود لکھنے لگے۔ افسوس مولوی صاحب کو پاکستان میں بھونی، نظام، نہ مل سکا۔

وہ معتمد ہی کیا جو حل ہو جائے۔ میں نے ادبیں احمد جعفری نے بارہا، آزمائش نظر، سے، رکے پیش نظر سب جوڑ کر صحیح حل تلاش کرنے کی کوششیں کر دالیں مگر سب اکارت گئیں۔ تیر کجھی نشانے پر نہیں بیٹھا اور کجھی دوا اور کجھی تین نین غلبیاں آتی رہیں۔ ایک "حل" میں مولوی صاحب کے قلم سے "صاحب عصمت شور" کی ترکیب مجھے کھلکھلی تھی۔ جس کا انہمار مدیر رسالہ سے کیا گیا۔ فرماتے میں۔

### دفتر ماہنامہ نفت ادا کراچی

حوالہ نمبر ..... مورخہ، اکتوبر ۱۹۴۳ء

برادر محترم! سلام علیکم، خط کاشکریہ، صاحب عصمت، با عصمت اور عصمت مآب میں صاحب عصمت ادبی اختیار سے زیادہ درست بے کثرت استعمال کے لحاظ سے با عصمت بھی تھیک ہے البتہ عصمت مآب اگرچہ مستعمل ہے مگر سافی نقطہ نظر سے بہت کمزور ہے۔ مآب کے معنے دو شنبے کی جگہ کے میں۔

بہرحال جس طرح بامحالم اور صاحب کھال میں کوئی قابل ذکر فرق نہیں۔ اسی طرح صاحب عصمت اور با عصمت کی ترکیب بھی ہے۔ خادم ظفر نیازی صاحب عصمت، با عصمت، یا عصمت مآب لسانی اغفاری سے لاکھ در سہی مکرہم نے اردو میں ان تیرکیوں کو لڑکیوں کے لئے مخصوص پایا ہے۔ عربی وغیرہ کی بات اور ہے۔

یادش بخیر بزرگانہ طالب علمی دعا لذکر آدمی ہمیشہ طالب علم ہی رہتا ہے، دفتر

”نفاد“ میں ان سے مل بھی چکا ہوں۔ بڑے ٹھاٹھ کا دفتر تھا۔ ہر چیز صاف سخن می  
اور چکدار، خود نیازی بھی خاصے جامد زیپ تھے۔ لباس سیدنیشہ مشرقی رہا، اچکن و عجزہ  
یورپ کے درے پر کئے تو سوت فرمائے گے، جس ”پر نفاد“ ہی میں اس تبدیلی  
لباس پر کئے باخنوں لئے گئے۔ نکلتا ہوا قزمیوترا اور ستا ہوا چہرہ، نوک دانک  
روشن اٹک گئی۔ میری بیاض میں ایک بادگار سخیر موجود ہے۔ پیش کرتا ہوں  
بعض لوگ کہتے ہیں کہ طبقہ قوم کی امانت ہوتے ہیں اور اس امانت کی حفاظت  
قوم کا فرض ہے۔ مگر مجھے جیسے تھوڑی سمجھ کھنے والے اس جمال سے بھی ایک قدم  
اور آگے چلے گئے ہیں اور ان کا فیصلہ یہ ہے کہ قوم کا مستقبل براہ راست طلبہ کی مان  
ہے اور اس امانت کی حفاظت کے لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ظفر نیازی

۱۹۵۳ء  
۲۹ اپریل

ظفر مرحوم کی موت نے میرے جذبات میں کوئی پلچل پیدا نہیں کی۔

**نذرِ سجادِ حیدر** یلدزم کی یوری قرۃ العین کی ماں، خود صاحب طرز  
ادیب، اپنی شادی کی کھانی بڑے لطیف پیراہ میں لکھی۔ پڑھنے والے ان کی پاکیزگی  
جمال اور لطافت بیان سے متاثر ہوئے ہوں گے۔ کراچی میں فیرسر روڈ کے سچھوارے  
ایک ہوٹل ہوا کرتا تھا، مانی ادن اگرہ ہوٹل۔ اب وہاں کون اور نہ کامہ کھڑا کر دیا گی  
ہے اسی ہوٹل میں جا کر اس محروم خاتون سے ملا تھا۔ بڑھا پا غائب تھا و قدم چلتا  
بھی دشوار، جیل قددائی نے کہیں لکھا ہے۔ نقاہت کی وجہ سے گر گر پڑتیں اور  
ہڈیاں لٹک لٹک کر ہڑتی ہیں زندگی کو بہزار خرابی بیمار بکھسیج لے گئیں میری بیاض

ان کی تحریر سے خالی نہیں لکھتی ہیں ہے

گلشنِ علم و ادب میں گل خندان ہو کر  
بنیم انجمن میں رہو ماہ درخشاں ہو کر

در سجاد حدر

22.5.53

**تریش کھارشاد** شاد کوئی نے جیتا جا گتا نہیں دیکھا۔ تصویر  
بھی ایک ہی بار نظر سے گزری بیسویں صدی یہ چھپی تھی۔ رنسیں لمروہی  
کے پہلو پہ پہلو۔ آنکھیں نشیلی و لیسے بھی تھیں اور یہاں رنسیں کی معیت  
میں پتے ہوئے چھکے ہوئے چہرہ کتابی ناک چپٹی بھی چورنگی کے قدر سے غالباً  
مار کھاتے ہوئے۔ مر گئے تو اخبارات میں ادھر ادھر ذکر آتے رہے۔  
خاصے معروف اور کامیاب چیز یہ اور بات کہ زیادہ نہ جیئے۔ انساہی کافی  
ہوتا ہے پچاس برس تو بہت ہوتے ہیں و لیسے جینے کو تو سو سال بھی  
لکھنچ لے جائیے۔ لکھنؤ کے افقر موہانی نے حیرتِ شملوی مرحوم  
کی غزل پر کچھ اعتراض کئے تھے میں نے اعتراض اور غزل جہاں تعدد  
دیکھا اہلِ قلم کو بھجوائے شاد کے نام بھی ایک لغافہ گیا جواب  
ختصر اور جامع کا رد سے آیا۔ حیرتِ شملوی کی غزل اور افقر موہانی

کا اعراض یہ ہے :

## عنزل

اذ : حیرت شماوى

کیوں ہوں نہ مغفرت کا طلب گار بھی بہت  
 بیمار بھی بہت ہوں گنہ گار بھی بہت  
 سنگین ہے سزا تو کسی سے کہیں بھی کیا  
 یہ دیکھ کر کہ ہم ہیں خطا کار بھی بہت  
 اچھا ہوا کہ آپ الگ ہم سے ہو گئے  
 الفت کی ورنہ راہ تھی دشوار بھی بہت  
 ہم پر غزوہ عشق کی تھمت بجا مگر  
 ہے بے نیاز حُسن کی سرکار بھی بہت  
 ہے یہ بھی واقعہ کہ صداقت کے نام پر  
 باندھے گئے ہیں جھوٹ کے طومار بھی بہت  
 پچھا اہل قافلہ ہی نہیں مست و بے خبر  
 بہکے ہوئے سی قافلہ سالار بھی بہت  
 حیرت نیازمند تھے آپ کا ضرور  
 لیکن نہ پھولئے کہ بے خوددار بھی بہت

— حیرت کی غزل مجھے بالکل پسند نہ آئی اولًا اغلاط کا مجموعہ  
اُس پر صحیح معانی و مطالب کا فقدان بس غزل ہے اور خوب ہے۔  
(افتباں از مکتب افقر موہانی بنام زیر سنجابی مطبوعہ نقوش خطوط بجزءہ ۳ ص ۳۹۱)

## مکتب شاد

۱۶۳۵ تیمار پور - دہلی

24. 4 - 69

مجی! تسلیم و نیاز

حیرت صاحب کی جو غزل آپ نے بھیجی ہے مجھے تو اس  
میں مطالب و معانی (کا) فقدان نظر نہیں آتا بلکہ حیرت  
صاحب کی مخصوص سلامت روی اور سادہ و پرکار لب و  
لہجہ کی چھاپ اس غزل پر بھی معلوم ہوتی ہے۔ افقر موہانی  
صاحب کی انتہا پسندانہ رائے سے مجھے قطعاً آفاق نہیں  
ہے۔

آپ کا نیاز مند

ترشیں کھار شاد